© rasailojaraid.com

پروفیسر خلیل احمد نظامی

مستشرقین کے افکار و نظریات کے مختلف دور

طریقۂ کار کا تجزیہ اور اصلاحِ حال کی راہ

آج برصغیر پاکستان و ہند اور بالخصوص تاریخ عہدِ وسطیٰ پر جن چند افراد کا نام سند کا درجہ رکھتا ہے، ان میں پروفیسر خلیق احمد نظامی (۱۹۲۵ء) شامل ہیں۔ پروفیسر صاحب امروہہ (یو۔پی) کے تاریخی قصبے کے ایک نامور علمی و دینی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ماضی قریب کے نامور صاحبِ قلم مولانا نسیم احمد فریدی اُن کے ماموں تھے اور "حضرت مجدد کا نظریۂ توحید" کے مصنف ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اُن کے قریبی عزیزوں میں شامل ہیں۔

پروفیسر نظامی صاحب کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر محمد حبیب کا پہلے شاگرد اور پھر رفیق کار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ ۱۹۴۷ء میں مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ سے وابستہ ہوئے، شعبۂ تاریخ کے ریڈر، پرو وائس چانسلر اور پھر وائس چانسلر کے منصب پر فائز رہ کر ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۷ء کے درمیان حکومت ہند کی جانب سے شام میں بطور سفیر خدمات انجام دیں۔ پروفیسر صاحب ہندوستان اور مغربی دنیا کے کئی علمی اور تحقیقی اداروں سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے اردو اور انگریزی میں متعدد کتابوں کے ساتھ پچاس سے زائد علمی و تحقیقی مضامین لکھے ہیں جو بلند پایہ جرائد، مجموعہ ہائے مقالات یا انسائیکلوپیڈیا طرز کی کتب مراجع میں شامل ہیں۔ ذیل میں جناب پروفیسر صاحب کی چند بہت ہی معروف اردو کتابوں کے نام دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ تاریخ مشائخِ چشت (۱۹۵۳ء) ۲۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۹۵۳ء)
۳۔ ترتیب و تدوین "خیر المجالس" (۱۹۵۵ء) ۴۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ (۱۹۵۵ء)
۵۔ سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات (۱۹۵۸ء) ۶۔ تاریخی مقالات (۱۹۶۶ء)
۷۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات (۱۹۶۹ء)

پروفیسر نظامی صاحب کو تحقیق و تالیف کے دوران میں مستشرقین کے اندازِ تحقیق کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ برصغیر کی تاریخ کے حوالے سے انہوں نے مستشرقین کی "خدمات" کا جائزہ لیا ہے۔ زیرِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر مقالہ پروفیسر صاحب نے دار المصنفین اعظم گڑھ کے زیر اہتمام ایک سیمینار میں پیش کیا تھا جو ماہنامہ "معارف" کے شکریے کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔ مقالے کے حواشی دوسری قسط کے ساتھ مروجہ طریقہ مقالہ نویسی کی روایت کے مطابق آخر میں شائع ہوں گے۔ کوشش کی گئی ہے کہ تمام کتب حوالہ کے بارے میں بنیادی علومات مہیا کر دی جائیں۔ (مدیر)

ہر قوم کی حیات اجتماعی کی ایک روح ہوتی ہے جس کے صحیح ادراک کے بغیر اس کی تاریخ یا تمدن کی بنیادی حقیقتوں تک رسائی ممکن نہیں، مستشرقین نے اسلام کی تاریخ اور تہذیب کی تحقیق میں مہتم بالشان کارنامے انجام دیئے ہیں۔ لیکن ان میں سے بیشتر اس کی داخلی معنویت کو سمجھنے سے عاجز رہے ہیں، اس ناکامی کے اسباب کی توجیہ اس وقت ممکن ہے جب ان عوامل اور محرکات کا سراغ لگایا جائے جن کے زیر اثر مستشرقین نے تاریخ اسلام پر اپنی توجہ مرکوز کی تھی اور اس کے مذہبی افکار اور تمدنی اداروں کی نوعیت کو سمجھنا چاہا تھا، یہ محرکات کبھی مذہبی عصبیت کا سہارا لیتے تھے، کبھی مقتضائے سیاست سے ان کا رخ متعین ہوتا ہے۔ کبھی معاشی دور اندیشی، علمی جدوجہد کا پیکر اختیار کر لیتی تھی۔ مذہب، سیاست اور معاشیات کی اس تگ و دو میں خالص علمی اور تحقیقی کاوشوں کی کیفیت گریز پا نظاروں کی سی رہتی تھی۔ اگر تاریخ کے وسیع پس منظر میں دیکھا جائے تو مستشرقین کی تحقیقی جدوجہد کے پانچ دور سامنے آئیں گے۔

پہلا دور اسلام اور اس کے تہذیبی کارناموں سے واقفیت حاصل کرنے کا جذبہ مغرب میں اس وقت بیدار ہوا تھا، جب اسپین اور سسلی کی سرزمین پر عربوں نے قدم رکھا تھا، یہ صرف ایک ملک یا ایک جزیرہ کی فتح نہ تھی، بلکہ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے ایک نئے اور انقلاب آفریں دور کا آغاز تھا، ایسا دور جس نے بقول مشہور فرانسیسی مستشرق پروفیسر میسی نیون، تہذیبی اعتبار سے یورپ کو بیدار کیا، اور مغرب کی ترقی کے لیے نئے نئے امکانات پیدا کر دیئے، عربوں کے علوم کو حاصل کرنے، ان کے مذہب کی حقیقت کو سمجھنے، اور ان کی علمی سربلندی کا راز دریافت کرنے کا جذبہ اس بات کا محرک ہوا کہ اسلام کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے، عربوں کی نئی تحقیقات، نئے علمی تجربات، نئے علمی رجحانات سے یورپ کے عالم استفادہ کرنا چاہتے تھے، اور گو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جب گفتگو کرتے تو اپنے متعصبانہ جذبات کو چھپا نہ پاتے تھے، لیکن اسلام کے علمی ذخائر کے ذریعے علمی سربلندی کا راز معلوم کرنے کی جستجو ان کے سارے جذبات پر حاوی تھی۔ ۱۱۲۰ء میں طلیطلہ کے ایک فاضل ڈریمونڈ نے ایک محکمہ اسلامی فلسفیانہ تصانیف کو عربی سے لاطینی میں منتقل کرنے کے لیے قائم کیا، اس محکمہ میں بہت سے یہودی عالم شامل تھے۔ ۱۱۵۸ء میں طلیطلہ ہی کا ایک یہودی عالم ابراہیم بن عذرا انگلستان پہنچا اور علوم اسلامی کے مطالعہ کی ضرورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور افادیت پر توجہ دلائی۔ اس زمانہ میں عیسائیوں اور یہودیوں نے جن کی زبان عبرانی تھی، عربی پر غیر معمولی قدرت حاصل کی، اور عربی کتابوں کو لاطینی اور دوسری زبانوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا، گیررڈ ڈی کریمونا (م ۱۱۸۷ء) (GERARDDi CRiMONA) نے رازی اور ابن سینا وغیرہ کی تقریباً ساٹھ کتابوں کا عربی سے لاطینی میں ترجمہ کیا۔ اسی زمانہ میں یورپی ممالک بالخصوص انگلستان کے علماء اسپین کی عرب درس گاہوں میں تحصیل علم کے لیے آنے شروع ہوئے، بارہویں صدی کے ان علماء میں ایڈیلرڈ (ADELARD) کا نام خاص طور قابل ذکر ہے۔ اس نے انگلستان میں نہ صرف عربی علوم کی حمایت میں بہت کچھ لکھا، بلکہ متعدد عربی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا، ڈینیل آف مارلے (DANiEL OF MARLEY) نے اسپین پہنچ کر عربوں کی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کی، میکل اسکاٹ (MiHAEL SCOTT) نے سسلی میں اسلامی علوم کی تحصیل کی، اور پھر ارسطو کی تصانیف کا عربی سے ترجمہ کرنے میں عمر گذاری، کلیسیا نے بھی عربی علوم کی افادیت کو محسوس کیا اور پوپ جان (POPE JOHN) نے ۱۳۲۵ء میں ایک منشور کے ذریعہ اپنے نمائندے کو پیرس میں ہدایت کی کہ کالج کے عربی شعبہ کی نگرانی میں غفلت نہ برتی جائے۔

ایڈیلرڈ نے اپنی کتاب مسائل طبیعیہ (NATURAL QUESTiONS) میں عربوں کے اس احسان کا بھی ذکر کیا ہے، جس نے یورپ کی خاموش علمی فضا میں حرکت پیدا کر دی تھی، عربوں نے یورپ کو اس حقیقت سے آگاہ بھی کیا کہ عقل (REASON) (AUTHORiTY) پر ترجیح حاصل ہے، یورپ کا دور احیائے علوم (RENAiSSANCE) اسی اصول کا شرمندۂ احسان تھا۔ آنے والی صدیوں میں اسی پر عمل پیرا ہو کر یورپ نے علمی دنیا کی سربراہی کا راز پایا، اور وہ عظیم الشان علمی کارنامے انجام دیئے، جنہوں نے اس کو علمی فضیلت کی صفِ اوّل میں پہنچا دیا، اقبال نے اسی دور کے عربوں کے کارناموں کے پیش نظر کہا ہے۔

حکمت اشیاء فرنگی زاد نیست | اصل او جز لذتِ ایجاد نیست
نیک اگر بینی مسلماں زادہ است | ایں گہر از دستِ ما افتادہ است
چوں عرب اندر اروپا پر کشاد | علم و حکمت را بنا دیگر نہاد
دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند | حاصلش افرنگیاں برداشتند

دوسرا دور مستشرقین کی علمی سرگرمیاں کے دوسرے دور کی ابتداء صلیبی جنگوں سے ہوتی ہے، گو کہ بعض مستشرقین جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے، صلیبی جنگوں کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ان کی علمی جد و جہد کا مرکز اسلام نہ تھا، بلکہ مسلمانوں کے وہ علوم و فنون تھے، جن کے حصول میں انہوں نے کسی تعصب کو قریب نہیں آنے دیا، مولانا شبلی نے اس دور کے مستشرقین کی علمی دلچسپیوں کا ذکر کرتے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھا تھا۔

> یورپ کی فیاض دلی رشک کے قابل ہے کہ ایک تو مذہبی اختلافات کی بناء پر مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا، لیکن دوسری طرف اس نے بے تکلف مسلمانوں کے خوانِ کرم سے زلہ ربائی شروع کر دی۔

لیکن اس فیاضی کا تعلق غیر مذہبی لٹریچر سے تھا، جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، صلیبی جنگ کے بعد مستشرقین کے طرز فکر اور انداز تحقیق میں بنیادی تبدیلی رونما ہو گئی۔ اب اسلام کی تعلیمات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور اسلامی تہذیب کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہا تھا، جو ان کے متعصبانہ افکار کی زد میں نہ آگیا ہو، انہوں نے اپنی ساری صلاحیتوں کا رخ اسلام کو غیر مہذب اور وحشیانہ مذہب ثابت کرنے کی طرف موڑ دیا، اس لیے کہ اسی میں ان کو عیسائیت کی مدافعت کی راہ نظر آتی تھی۔ کتنے ہی غلط اور بے بنیاد الزام تھے جو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق اس دور میں تراشے گئے، اور ان کو شہرت عام دے دی گئی۔ حضرت عمرؓ کی نسبت کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا حکم اسی زمانہ میں مستشرقین نے وضع کیا اور اس کو اس طرح مشہور کیا کہ اپنے پرائے سب کو اس کی صداقت پر یقین آگیا۔ اس زمانہ میں یورپ نے مسلمانوں کے خلاف جذبات برانگیختہ کرنے کے لیے ان کے متعلق گمراہ کن خیالات کو قومی گیتوں میں اس طرح سمو دیا کہ یہ جنگی معرکوں میں رجز کے طور پر گائے جانے لگے، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب کسی شخص کو عیسائی بنایا جاتا تھا، تو یہ خیالات عقائد کے طور پر اس کو سکھائے جاتے تھے۔

مستشرقین نے اسلام کی جو غلط تصویر اس دور میں پیش کر دی تھی، وہ مدتوں تک یورپ اور اس کے زیر اثر علاقوں میں تاریخی حقیقت کے طور پر تسلیم کی جاتی رہی۔

تیسرا دور

مستشرقین کی علمی جدوجہد کے تیسرے دور کا آغاز اس وقت ہوا، جب صنعتی انقلاب نے یورپی ممالک میں استعمار اور ملک گیری کی نئی خواہشات کو بیدار کر دیا، اب "یورپین اقوام" نے مسلمان ملکوں پر للچائی ہوئی نظریں ڈالنا شروع کر دیں۔ ان حالات میں اسلام کی طرف کھلا عناد سیاسی مصالح کے منافی نظر آنے لگا۔ ان ملکوں پر اقتدار کے مضبوط پنجے جمانے کے لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کی تاریخ کا ایک ایک پیچ وخم ان کے افکار و احساسات کی ایک ایک خلش اور ان کے سماجی رجحانات اور دینی شعور کے ایک ایک نشیب و فراز کا پتہ لگایا جائے، محکوم کے دل و دماغ تک پہنچے بغیر حکمرانوں کی کوئی ساحری کامیاب نہیں ہو سکتی تھی، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یورپین ممالک نے سب سے پہلے اپنی یونیورسٹیوں اور اداروں کی طرف دیکھا اور ہمت افزا جواب پایا۔ سترہویں صدی میں کیمبرج اور آکسفورڈ میں عربی پڑھانے کا بندوبست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا گیا، اور اسلام کے علمی ذخائر کو جگہ جگہ سے سمیٹ کر لانے کے منصوبے بنائے گئے، آکسفورڈ کے عربی پروفیسر ایڈورڈ پوکاک (EDWARD POCOCK) نے حلب سے عربی مخطوطات کے بیش بہا ذخیرے حاصل کیے، اور "انجیر" کے ایک درخت کے سائے میں جو وہ شام سے لایا تھا، (اور جواب تک وہاں موجود ہے) عربی تصانیف کے خلاصے کرنے شروع کر دیئے۔ تاکہ مسلمانوں کے ملی مزاج اور علمی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ ہو سکے جارج سیل (GEORGE SALE) نے اسی زمانے میں قرآن کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔ یورپی زبانوں میں قرآن کا یہ پہلا مکمل ترجمہ تھا۔ استشراق کی یہ لہر جو مقتضیات سیاسی نے تیز کر دی تھی، یورپ میں اس طرح پھیلی کہ ہر ملک مسلمانوں کی زبان، تاریخ اور مذہب کی تحقیق میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ جرمنی میں ریسکے (م ۱۷۷۴ء) (REISKE) سوئٹزرلینڈ میں بورہرڈ (م ۱۸۱۷ء) (BURHARD) فرانس میں سلویسٹر دی ساسی (SYLVESTRE DE SACY) ہالینڈ میں ڈوزی (DOZY) انگلستان میں رابرٹسن اسمتھ (ROBERTSON SMITH) نے تو مسلمان بن کر شام اور حجاز کا سفر کیا، پیرس، میڈرڈ، برلن، لندن، لائڈن، آکسفورڈ کے علوم مشرقی کے شعبوں میں اسلام پر تحقیقی کام میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار ہونے لگا۔ نپولین نے ۱۷۹۸ء کے بعد مصر کے علمی ذخیروں کو فرانس منتقل کرنا شروع کر دیا، انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کے نادر قلمی نسخے لندن پہنچا دیئے۔ انڈونیشیا، ہندوستان، ایران، مصر، شام، عراق کے کتنے ہی "انمول موتی" جن کو غیر ملکوں میں دیکھ کر بقول اقبال "دل سی پارہ" ہوتا ہے۔ یورپین کتب خانوں کی زینت بن گئے۔ نپولین نے وقت کے اشاروں کو سمجھا اور ازہر کے ساتھ علماء کے سامنے اسلام سے اپنے احترام کا اعلان کیا، اور اپنے نائب کلیبر (KLEBER) کو ہدایت کی کہ حکومت کے معاملات میں مسلمانوں کے مذہبی طبقوں کا تعاون حاصل کرے۔ یہ سب سیاست کے تقاضے تھے، جن کا اظہار آکسفورڈ سے لے کر ازہر تک مسلسل ہو رہا تھا۔

اس زمانہ میں صلیبی دور کا کھلا ہوا معاندانہ انداز مصلحتاً ترک کر دیا گیا، لیکن مقصد کے نشتر تیز تر ہو گئے اب ساری جدوجہد کا رخ اس طرف تھا کہ مسلمانوں کو ذہنی طور پر مرعوب کر کے ایسے احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا جائے کہ وہ ہر معاملہ میں ہدایت و رہبری کے لیے مغرب کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوں۔ تشکیک اور شبہات کے ذریعے ان کے قوائے ذہنی کو اس طرح مفلوج کر دیا جائے کہ وہ نہ صحیح سمت قدم اٹھا سکیں اور نہ صحیح زاویہ نگاہ سے چیزوں کا جائزہ لے سکیں۔ پوست پلائے ہوئے انسان کی طرح نہ اعضائے جسمانی ان کے قابو میں ہوں، اور نہ قوائے ذہنی پر ان کا بس چلے۔

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان سے متعلق مستشرقین کے کام کے دو پہلو خاص طور پر جاذب توجہ نظر آتے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک یہ کہ مسلمانوں کی تاریخ پر کام کرنے والے بہت سے مصنفین فوج سے تعلق رکھتے تھے، مثلاً ریورٹی (RAVERTY)، برگس (BRIGGS)، اسکاٹ (SCOTT) ڈاؤ (DOW) ڈیوی (DEVY) دوسرے یہ کہ سیاسی مقاصد کے پیش نظر مسلمانوں کی تاریخ کو اس طرح پیش کرنے کا منصوبہ بنایا گیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کی وہ شگفتگی برقرار نہ رہ سکے، جو صدیوں تک ان کی سماجی زندگی کی خصوصیت رہی تھی۔ سرہنری ایلیٹ نے یہ کام آٹھ ضخیم جلدوں میں انجام دیا۔ ہمیں ایلیٹ کا مشکور ہونا چاہیئے کہ اس نے اپنے مقاصد کا اظہار ایک عرضداشت (MEMORANDUM) میں انگلستان کی حکومت سے کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس عرضداشت کو بعد میں کتاب کا جزو بنا کر شائع کردیا گیا، بغیر یہ سوچے کہ مستشرقین کے خلاف یہ سب سے بڑی دستاویز ہے جو ان کے مفسدانہ مقاصد کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح مصر کے متعلق یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ نپولین کے بیشتر مددگار اور ترجمان فرانس کے مشہور مستشرق سلوسٹر دی ساسی کے شاگرد رشید تھے، اور جب دی لیسپس (DECLESSAPS) نے نہر سوئز کو جاری کیا تھا، تو اس کے عزائم کو کامیاب بنانے میں کتنے ہی فرانسیسی مستشرقین کی بے تاب تمنائیں کام کر رہی تھیں

اس دور کے مستشرقین نے زہر کی تلخیوں کو تحقیق کے شہد میں اس طرح چھپایا کہ کام و دہن کو تو تلخی محسوس نہیں ہوئی، لیکن زہر رگ و پے میں اتر گیا۔

چوتھا دور

جب نوآبادیاتی نظام کا دم واپسیں شروع ہوا اور اسلامی ممالک میں آزادی کی تحریکیں نمودار ہونے لگیں تو مستشرقین کے اندازِ تحقیق اور طریقہ کار میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہوگئی۔ نوآبادیوں کی آزادی کو ٹالنا اب ممکن نہیں رہا تھا، لیکن ان سے بے تعلق ہوجانا ملک کے سیاسی اقتدار پر ضرب کاری کے مترادف تھا، چنانچہ اب تمدنی رشتوں کی نئی زنجیریں وضع کرنے کے لیے اسلامی علوم کا نئے انداز سے مطالعہ ضروری ہوگیا۔ دولت برطانیہ نے اپنی نوآبادیوں سے دستبردار ہونے میں پس و پیش نہیں کیا، لیکن تمدنی سرمایہ کو (جو آج بھی کتابوں اور آثار کی شکل میں انگلستان کی زینت بنا ہوا ہے۔) واپس کرنے سے انکار کردیا۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اس دور کے مستشرقین کی تحقیقی کاوشوں میں رنگِ احترام آگیا۔ اقبال نے ۱۹۳۲ء میں جب پروفیسر میسی نیون سے کہا کہ مغرب کے مورخین کو اسلام سے جو تعصب وعناد ہے، وہ وقت گزرنے کے ساتھ کم ہو رہا ہے، اور اسلام کی صداقت اور حقیقت ان پر آشکار اور واضح ہوتی جارہی ہے، تو میسی نیون نے ان کی رائے سے پوری طرح اتفاق کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ فکر کی یہ تبدیلی مقصد بدل جانے کا نتیجہ تھی، اب سیاسی برتری قائم رکھنے کیلئے ضروری تھا، کہ بظاہر اپنے اندازِ تحقیق میں اسلام کے ساتھ احترام کا برتاؤ کیا جائے، مبادا کہ سیاسی آزادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تحریکیں مغرب کی ذہنی غلامی سے بغاوت کا رنگ اختیار کرلیں، لیکن دوسری طرف ایسے فتنوں کو خاموشی سے بیدار کردینے کی جستجو شروع ہوگئی جن سے مسلمان ممالک افتراق اور انتشار کا شکار بنے رہیں اور ملی وحدت کی پرچھائیاں بھی ان کے ذہن پر نہ پڑنے پائیں۔ اس دور کے مستشرقین اپنے ملکوں کی وزارت خارجہ کے مشیر بن گئے، اور ان کی تحقیق اگر ایک طرف مغربی حکومتوں کی خارجہ پالیسی کا رخ متعین کرنے لگی، تو دوسری طرف ان علاقوں میں خیالات کی تبدیلی لانے کے لیے وزارت خارجہ ان مستشرقین سے مدد لینے لگی، جو کام کبھی سپاہیوں کے ذریعہ انجام پاتا تھا، اب پروفیسروں کے ذریعہ انجام پانے لگا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد انگلستان میں اسکاربرا رپورٹ (SCARBROUGH REPORT) تیار ہوئی جس کو بجا طور پر (CHARTER OF MODERN ORIENTALISM) استشراق جدید کا منشور کہا جاسکتا ہے۔ اس رپورٹ میں اس بات کا شدید احساس ملتا ہے کہ اگر ابھرتے ہوئے مشرق کو پوری طرح نہیں سمجھا گیا، تو برطانوی مقاصد بری طرح متاثر ہوں گے۔ ان مقاصد کو (WORLD PEACE) امن عالم کا معصوم نام دیا گیا ہے، لیکن سامراجی جذبات افکار کا نیا چولا بدل کر اس رپورٹ کے ایک ایک حرف سے جھلکتے نظر آتے ہیں۔ ایچ۔ اے۔ آر۔ گب (H.A.R. GIBB) نے (MODREN TRENDS IN ISLAM) میں نئے انداز سے مسلمانوں کی نبض پر ہاتھ رکھا اور وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر عالم اسلام پر نظر ڈالی ہے۔

پانچواں دور

مستشرقین ابھی اسی دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تدابیر سوچ رہے تھے کہ اسلامی ممالک میں "زر سیال" کے چشمے ابل پڑے اور دنیا کا مرکز ثقل عرب ممالک کی طرف منتقل ہوگیا۔ مستشرقین کے حاشیۂ خیال میں بھی ایسی صورت نہ تھی۔ اسلامی ممالک کی اقتصادی آزادی کے خیال نے ان کی استعمارانہ فکر کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ نئی صورت حال کے امکانات ان کے لیے نہ صرف تشویش بلکہ توحش کا باعث بن گئے۔ اقتصادی اعتبار سے ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش برابر جاری ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ قرون اولیٰ کے اسلام کے مطالعہ سے بے توجہی برتی جارہی ہے، اب مستشرقین کی دلچسپی جدید مذہبی تحریکات، سماجی رجحانات اور اقتصادی امکانات کے مطالعہ کی طرف منتقل ہوچکی ہے، اور فکر اسلامی کی توجیہ اور تعلیل سے زیادہ مسلمان ملکوں کے اندرونی اور بیرونی حالات کے تجزیے کی طرف توجہ ہے۔ قومیت (NATIONALISM) کے وہ عناصر جو عربوں کی وحدت ملی کے تصورات کو پارہ پارہ کرسکتے ہیں، اب توجہ کا مرکز بن گئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صیہونیت نے مستشرقین کے انداز تحقیق سے خاموش سازباز کرلیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاید تاریخ کے کسی دور میں دیارِ مغرب کے رہنے والوں کو اسلام سے وہ دلچسپی نہ پیدا ہوئی ہو جو عصر
حاضر کا خاصہ بن کر سامنے آئی ہے۔ حالات کی اس نئی کروٹ نے مستشرقین کو ایک عجیب ذہنی کشمکش میں
مبتلا کر دیا ہے۔ ان کا ترکش خالی ہے اور حالات کچھ اور ہی رنگ اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اس زمانہ میں
مستشرقین نے جو کام اسلام پر کیے ہیں، وہ اسلام سے زیادہ خود ان کے نفسیاتی مطالعہ کے لیے دلچسپ
مواد فراہم کرتے ہیں۔ AREA STUDIES کے تصور کو اقتصادیات، سیاست ارضی GEO-POLIT-
ICS) اور عمرانیات (SOCIOLOGY) سے قریب لا کر دینی عناصر کے مطالعہ سے گریز کیا جا رہا ہے۔
۱۹۶۶ء میں امریکہ میں THE MIDDLE EAST ASSOCIATION OF NORTH
AMERICA STUDIES قائم ہوئی اور ۱۹۷۶ء میں BRITISH SOCIETY FOR MIDDLE
EASTERN STUDIES کا قیام عمل میں آیا۔ یہ انجمنیں بدلتے ہوئے حالات اور رجحانات کی آئینہ دار
ہیں۔ ان کی مطبوعات اور رسائل سے ان ذہنی خلشوں کا اندازہ ہو جاتا ہے جن سے مستشرقین اس وقت
دوچار ہیں۔ کبھی JOHN WESTERBURY کی ISLAM AND COLONIALISM: THE HYDRO
POLITICS OF THE NILE VALLEY کی طرف ان کی نظر جاتی ہے، کبھی RUDOLPH PETERS
DOCTRINE OF JIHAD IN MODERN HISTORY، MORTON پر غور کرتے ہیں، لیکن وہ یہ
سمجھنے سے قاصر معلوم ہوتے ہیں۔ کہ اسلامی فکر کا دھارا اب کس رخ بہے گا، اور انہیں کہاں کہاں اور کیا کیا
بند باندھنے چاہییں۔ ایک جدید ترین کتاب ISLAM AND THE WEST کے مصنف NORMON
DANIAL نے مستشرقین کی تصانیف پر گفتگو کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ LATIN
EUROPE نے اسلام کے خلاف بہت سے غلط نظریات پھیلائے تھے، لیکن اس کی عصبیت اس کو "علمی
بددیانتی" تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

یہ ہیں وہ پانچ ادوار جن کے زیرِ اثر ان کی علمی کاوشیں وقت اور حالات کا ساتھ دیتی رہیں۔

مقاصد

۱۔ افراد کی زندگی میں جو حیثیت حافظہ کی ہے، قوموں کی زندگی میں وہی اہمیت ان کی تاریخ
کی ہے۔ مستشرقین کے پیشِ نظر سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا تعلق ان کی حیاتِ
اجتماعی کے دینی، تمدنی اور فکری سرچشموں سے منقطع کر دیا جائے، تاکہ جب وہ کسی انسانی کمال یا کارنامے
کا تصور کریں تو ان کا ذہن مغرب کے سوا کسی دوسری طرف منتقل ہی نہ ہو سکے، بقول مولانا شبلی۔

> ہم کو صرف یہی رونا نہیں ہے، کہ ہمارے زندوں کو یورپ کے زندوں نے مغلوب کر
> لیا ہے، بلکہ یہ رونا بھی ہے، کہ ہمارے مُردوں پر یورپ کے مُردوں نے فتح پائی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مقصد کے بپشِ نظر مسلمانوں کو علمی اعتبار سے ایسے احساس کمتری میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی جس سے ان کی فکر کے سوتے خشک ہوجائیں، ان کی خودی ختم ہو، تو ان کی گردنوں میں برگسان اور ہیگل سے عقیدت کی زنّار ڈالی جائے۔

۲۔ ایک ایسے دور میں جب کہ اسلامی ممالک میں معرکہ سائنس و مذہب برپا تھا۔ اور سائنس کی ایجادات نے ایک ذہنی خلش پیدا کر دی تھی، مستشرقین کی جدوسعی کا ایک رخ یہ بھی تھا کہ مسلمان سائنس کی برتری تسلیم کر کے اپنے مذہب سے بیزار ہوجائیں، ان کو اپنا قانون، اپنی شریعت، اپنا طرزِ زندگی، سب فرسودہ اور بیکار نظر آنے لگے، مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی اور اصلاح کا آوازہ سب سے پہلے مستشرقین ہی نے بلند کیا تھا۔ یورپ میں سائنس اور مذہب کا معرکہ جلدی شروع ہوا اور جلد ہی ختم ہوگیا۔ مستشرقین نے مشرق میں اس جنگ کو طول دے دیا تاکہ مسلمانوں کو قدم قدم پر اپنے مذہب کے ناقص ہونے کا احساس ہو اور وہ یہ محسوس کرتے لگیں کہ اسلام اس معرکہ میں ناکام ہو چکا ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے ذہن کو ایسے مسائل میں الجھایا جائے جن کا ان کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو، لیکن جو توانائی ذہنی کو مضمحل کرنے میں کارگر ثابت ہوں، اقبال کی نظم میں ابلیس کا جو مشیر مسلمانوں کو ان گتھیوں کے سلجھانے کی تلقین کرتا ہے۔

ابن مریم مرگیا یا زندہ جاوید ہے
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عین ذات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
امتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

اس کے پہلو میں مستشرق ہی کا دل دھڑکتا نظر آتا ہے۔

۴۔ اسلامی تاریخ کے ایسے گوشوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر زیرِ بحث لایا جائے، جو مسلمانوں میں اتحاد ملی کے جذبات کو نشوونما پانے سے روک دیں۔ اس مقصد کے بپشِ نظر مستشرقین نے کتنی ہی عداوتوں کو جو وقت کے ساتھ بے جان ہو چکی تھیں، نئی زندگی بخش دی۔ (عالم اسلام اور عیسائیت م

خط و کتابت کرتے وقت اور زر مبادلہ بھیجتے وقت
خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مچھروں سے مکمل نجات حاصل کیجئے

ویپ
ماسکیٹو میٹ

ALSO APPROVED IN AMERICA BY U.S. ENVIRONMENTAL PROTECTION AGENCY WASHINGTON D.C.

جاپان کی وزارتِ صحت سے منظور شدہ

© rasailojaraid.com